قدر زر کے مختلف النوع تغیرات
فقہی آراء کی روشنی میں

شاہ محی الدین ہاشمی ☆

اسلام کے قرون اولی پر اگر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس دور میں کرنسی آج کے برعکس خاصی مستحکم تھی، تاہم بعض اوقات قدرتی اسباب کی بنا پر اس کی قدر (Value) متغیر بھی ہو جاتی تھی۔ چونکہ یہ تغیرات کسی مربوط نظام کے تابع نہ ہوتے تھے اور پھر یہ بھی کہ اس وقت زر سونے چاندی ہی کی شکل میں ہوتا تھا، اس لئے یہ تغیرات نہ تو وبائی شکل اختیار کرتے اور نہ ہی کسی ایک جہت میں رہنے پہ پابند ہوتے تھے۔ (۱) یہی وجہ ہے کہ زر کی قدر میں یہ معمولی فطری کمی بیشی اس وقت کے رائج الوقت معاشی نظام کی ساخت میں کسی بڑی تبدیلی کا باعث نہیں بنتی تھی۔ قدر زر میں ایسے ہوش ربا تغیرات کے واقعات گزشتہ صدیوں میں نہیں ملتے جن کی دور حاضر کی صورت حال کے ساتھ تطبیق ہو سکے۔ تاہم اس کے باوجود بھی کچھ ایسے واقعات و روایات اور نظائر و شواہد ضرور موجود ہیں جن سے عصری مسائل و حادثات میں خاصا استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے، آپؓ فرماتے ہیں کہ بکر بن عبداللہ مزنی اور مسروق العجلی نے ان سے اپنے مزدوروں کی بابت سوال کیا کہ ان کے ذمہ مزدوروں کے کچھ دراہم ہیں مگر ان کے پاس صرف دینار ہی موجود ہیں تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

"اعطوہ بسعر السوق" (۲)

ابن عمرؓ ہی سے مروی ایک دوسری روایت سے بھی یہی ہدایت ملتی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دراہم ودنانیر کے باہم اختلاف کے ساتھ لین دین کو درست قرار دے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کر یہی شرط عائد فرمائی کہ اس دن کے بازاری نرخ کی رعایت کی جائے۔ ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ دور نبوی ؐ و عصر صحابہؓ میں بھی مارکیٹ کے بھاو بدلتے رہتے تھے۔

عہد نبوی کے بعد کے ادوار میں جب فلوس (۳) کا استعمال شروع ہوا اور کھوٹ والے درہم و دینار کا چلن ہوا تب قدر زر کے تغیرات کا اثر محض انفرادی نہ رہ سکا' بلکہ عام معاشرے پر بھی اس کے اثرات پڑنے لگے۔ جنگوں اور دیگر سیاسی اضطرابات کا وقوع' اشیاء کی قیمتوں اور زر کی قوت خرید میں کمی بیشی کا موجب ہونے لگا۔ ۷۴ھ میں خلافت عبدالملک بن مروان کے عہد میں غالبا پہلی مرتبہ اس طرح کا تغیر واقع ہوا جب خلیفہ نے عراق میں اسلامی سکوں کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ اس سے قبل وہاں رومی دینار اور کسروی دراہم استعمال کیے جاتے تھے (۴)۔

بعد کے زمانے میں یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا اور مختلف مواقع میں نقود کی قیمتوں میں تغیرات واقع ہوتے رہے۔ یہاں زیادہ تفصیل کا موقع اور گنجائش نہیں ہے (۵)۔

مختلف تاریخی ادوار میں حکومتیں ان تغیرات کے نتیجے میں اقتصادی و سیاسی مشکلات سے دوچار رہیں۔ بالخصوص خلافت عثمانیہ میں دسویں صدی ہجری کے دوران ان مشکلات و مسائل میں خاصا اضافہ ہو گیا اور زر کے روزمرہ قدری تغیرات' بیوع آجلہ وغیرہ کے سلسلے میں کئی طرح کے اشکالات پیدا کرنے لگے جن کی طرف اس زمانے کے فقہی فتاوی میں اشارات ملتے ہیں (۶)۔

حقیقی زر کے تغیرات:

یہ امر تو بالکل عیاں ہے کہ زر حقیقی اپنے استقرار قدر کے اعتبار سے ہمیشہ کاغذی زر سے ممتاز رہا ہے۔ اور سخت کساد کے حالات میں بھی سونے چاندی اور ان کے سکوں کی قیمت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور اگر ان کی قیمت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع بھی ہو جائے تب بھی باعتبار جنس ان کی افادیت برقرار رہتی ہے۔ اسی بنا پر فقہاء نے ادائیگیوں وغیرہ میں حقیقی زر کے تغیرات کا اعتبار نہیں کیا اور یہ تسلیم کیا کہ چاہے اس کی قوت خرید کم یا زیادہ ہو جائے' یا حاکم وقت اس کے رواج پر بالکل پابندی عائد کر دے تب بھی اس کے اثرات ادائیگیوں پر مرتب نہیں ہوں گے (۷)۔

قانونی زر کے تغیرات:

ائمہ اربعہ کے ادوار میں قانونی زر، کاغذی نوٹ کی شکل میں نہیں تھا بلکہ اس زمانے میں "فلوس" نامی کرنسی قانونی زر کے طور پر رائج تھی۔ آج کے کرنسی نوٹ کی طرح ان فلوس کی حقیقی قدر بھی ان کی قانونی قدر کے مقابلے میں کم ہوتی تھی۔

فقہاء امت نے فلوس کے تغیرات کے فقہی اثرات میں اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف کا مرجع دراصل فلوس کی حقیقت (Nature) کے تعین میں اختلاف ہے۔ بنابریں فقہاء نے فلوس کی قدر میں تغیرات کے مختلف حالات کے لئے مختلف احکام ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(الف) کساد کی حالت:

"کساد" لغت میں کسی چیز کے عدم رواج کو کہتے ہیں جو اس چیز میں لوگوں کی دلچسپی میں کمی یا ترک رواج کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں شہر میں کرنسی کے رواج کے متروک ہو جانے کو کساد کہا جاتا ہے (۸)۔

اگر کوئی شخص معلوم اور معین قیمت پر کوئی چیز خریدے یا کسی سے قرض لے یا اس کے ذمہ موجل مہر آ جائے لیکن ادائیگی سے قبل ہی رائج کرنسی کساد کا شکار ہو جائے تو مدیون (Debtor) پر کیا واجب ہوگا؟ اس بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

پہلا مذہب:

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ معاملہ بیع میں قیمت کی ادائیگی سے پہلے اگر فلوس کاسد ہو جائیں اور لوگوں میں رائج نہ رہیں تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ فلوس کے ترک رواج سے اب ان کی حیثیت ثمن کی نہیں رہی لہذا یہ بیع جو کہ اب بلا ثمن ہے فاسد ہو جائے گی اور خریدار کو وہ مال واپس کرنا ہوگا۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

"ولواشتری بفلوس نافقة ثم کسدت قبل القبض ' انفسخ عند ابی حنیفة وعلی المشتری رد المبیع ان کان قائما و قیمته او مثله ان کان هالکا" (۹)

(یعنی اگر فلوس بوقت معاہدہ بیع رائج تھے مگر ادائیگی سے پہلے کاسد ہو گئے تو امام

ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔ اب خریدار کے پاس اگر وہ خریدا ہوا مال موجود ہے تب تو اسے اسی کی واپسی کرنا ہوگی اور اگر وہ موجود نہیں تو اس کی قیمت یا اس کا مثل دینا ہوگا)۔

جہاں تک معاملہ قرض یا مہر موجل کا تعلق ہے تو اس صورت میں مدیون (Debtor) کے ذمہ انہی فلوس کی ادائیگی لازم ہوگی جو معاہدے میں طے پائے تھے اگرچہ اب وہ کاسد ہو چکے ہوں (۱۰)

دوسرا مذہب:

امام ابو یوسف و امام محمد (۱۱)، حنابلہ (۱۲) اور بعض مالکیہ (۱۳) کا مسلک یہ ہے کہ فلوس کے کاسد ہونے سے بیع باطل نہیں ہوتی اور نہ ہی خریدار کو مثل کی واپسی کا اختیار رہتا ہے بلکہ اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ رائج کرنسی میں ان فلوس کی قیمت ادا کرے جن پر معاہدہ ہوا تھا۔ صاحب البدائع امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے مسلک کا اختلاف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"فلوس کے کساد کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک بیع فاسد ہو جاتی ہے اور خریدی ہوئی چیز کی واپسی ضروری ہوتی ہے یا اگر وہ چیز ضائع ہو جائے تو اس کی قیمت یا مثل لوٹانا ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ایسی بیع باطل نہیں ہوتی البتہ بائع کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اور چاہے تو فلوس کی قیمت کا مطالبہ کرے"۔ (۱۴)

صاحب بدائع نے صاحبین کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"کساد اصل میں ثمن کا ہلاک ہونا نہیں ہے بلکہ یہ کرنسی میں عیب کا وقوع ہے، جس سے بائع کو فسخ بیع یا فلوس کی قیمت وصول کرنے کا اختیار مل جاتا ہے۔ نیز مدیون (Debtor) پر مثل کی واپسی لازم ہو جاتی ہے مگر چونکہ کساد کی وجہ سے مثل باقی نہیں رہا لہٰذا اب فلوس بجائے ثمن کے عروض بن گئے چنانچہ اب قیمت ہی ادا کی جائے گی۔ یہ بعینہٖ ایسا ہی ہے کہ کوئی کسی مثلی شے کا قرض لے اور ادائیگی سے قبل ہی وہ نایاب ہو جائے۔" (۱۵)

اس قول کے قائلین بیع کی طرح معاملات قرض اور مؤجل ادائیگیوں میں بھی یہی نقطہ نظر رکھتے ہیں کہ کساد کی وجہ سے مثل صوری (Similar in face) کی واپسی درست نہیں،

اس لئے کہ قرض خواہ نے مقروض کو ایک ایسی شے دی تھی جو حامل منفعت تھی۔ اب اسے ایک بے کار اور بے فائدہ شے واپس کرنا یقیناً ظلم ہوگا۔ ابن قدامہ کہتے ہیں:

"اگر قرض فلوس کی شکل میں ہو اور حاکم ان کے رواج پر پابندی لگا دے تو مقروض کو فلوس کی قیمت اداء کرنا ہوگی' اس لئے کہ ثمن میں جو عیب واقع ہوا ہے وہ مقروض کی ملکیت ہی میں ہوا ہے۔" (۱۶)

آگے یہ مسئلہ کہ قیمت کس وقت کی متعین ہوگی' اس سلسلے میں امام محمد نے (۱۷) دیگر حضرات سے اختلاف کیا ہے۔ آپ کے ہاں مقروض پر وہ قیمت (یعنی قرض کی کاسد رقم کی) لازم ہوگی جو بوقت کساد تھی' جب کہ امام ابو یوسف وغیرہ کے نزدیک جو قیمت بیع کے وقت تھی وہ ادا کی جائے گی۔ (۱۸)

(ب) انقطاع کی حالت:

انقطاع زر کا مفہوم یہ ہے کہ بازار سے کرنسی مفقود ہو جائے اور کہیں دستیاب نہ رہے۔ (۱۹)

اگر کوئی شخص ایک معین قیمت پر کوئی چیز خریدے یا کسی سے قرض لے مگر ادائیگی سے قبل ہی وہ نقد منقطع ہوجائے تو اس حالت کے حکم میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ حنابلہ اور امام محمد (۲۰) کی رائے یہ ہے کہ انقطاع کی صورت میں خریدار اور مدیون (Debtor) کو قیمت ادا کرنا ہوگی اور انقطاع نقد سے متصلا قبل کے وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ احناف کے ہاں یہی قول مفتی بہ ہے (۲۱)۔

اس نقطۂ نظر کی بنیاد اور دلیل یہ ہے کہ چونکہ دین (Debt) کا مثل سے قیمت کی طرف انتقال (Convertion) بوقت انقطاع ہی ہوتا ہے (۲۲) اس لئے درست یہی ہے کہ اسی وقت کو معتبر سمجھا جائے۔

امام ابو یوسف کا بھی یہی مسلک ہے البتہ ان کے نزدیک اس دن کی قیمت پر فیصلہ ہوگا جس دن فریقین کا باہمی معاہدہ طے ہوگا اس لئے کہ اسی وقت دین واجب ہوا تھا۔ (۲۳)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک انقطاع بھی کساد کی طرح فساد عقد کا موجب ہے۔ (۲۴)

(ج) گرانی اور ارزانی کی حالت:

کاغذی زر کی قوت خرید میں عام طور پر کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جسے فقہاء نے "غلاء و رخص" (گرانی و ارزانی) کا نام دیا ہے۔ ایسا عام طور پر حکومت کی زری پالیسی کی بنا پر اور کبھی کبھی دیگر عوامل کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔

موجل ادائیگیوں کے معاہدات میں معاہدہ طے پانے اور قیمت کی ادائیگی کی درمیانی مدت میں اس حالت کے وقوع سے متعاقدین (Contractors) کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ اس مسئلے میں فقہی آراء مختلف ہیں کہ ادائیگیوں پر رخص و غلاء کے اثرات کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

پہلا مذہب:

جمہور فقہاء (امام ابوحنیفہ (۲۵)، مالکیہ (۲۶)، شافعیہ (۲۷) اور حنابلہ (۲۸)) کے نزدیک "رخص و غلاء" کا ادائیگیوں میں اعتبار نہیں ہوگا بلکہ جتنی کرنسی کا معاہدہ ہوا تھا وہی بغیر کمی بیشی کے اداء کی جائے گی۔ (۲۹) ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ:

واما رخص السعر فلایمنع ردھا، سواء کان کثیرا مثل ان کانت عشرة بدانق فصارت عشرین بدانق۔ او قلیلا، لانہ لم یحدث فیھا شیئی، انما تغیر السعر، فاشبہ الحنطة، اذا رخصت اوغلت۔ (۳۰)

(قیمتوں میں کمی چاہے زیادہ ہو یا کم، اس کا ادائیگی پر اثر نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ صرف قیمت بدلی ہے، زر (یا کوئی بھی جنس جس کی ادائیگی کرنی ہے) وہ بحالہ قائم ہے۔ اس کی مثال گندم کی ہے کہ وہ مہنگی سستی ہوتی ہے (مگر ادائیگی اگر گندم کی ہو تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی)

دسوقی (۳۱)، صاحب مدونہ (۳۲)، اور سیوطی (۳۳) نے بھی اس سلسلے میں جو تصریحات کی ہیں وہ یہی ہیں کہ اگر فلوس کی قیمت بڑھ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے، اس کا عقد پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ اسی بات کی وضاحت حنبلی مسلک کے "مجلة الاحکام الشرعیة" میں بھی کی گئی ہے کہ تمام قرضوں، قیمتوں، اجرتوں اور خلع و عتق وغیرہ کے عوض میں (جب کہ وہ موجل ہوں)

یہی حکم ہوگا (۳۴)

دوسرا مذہب:

امام ابو یوسف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موجل مالی معاہدوں میں فلوس کے "رخص و غلاء" کا اعتبار ہوگا۔ چنانچہ اگر معاملہ قرض کا ہے تو قبضے کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور اگر خرید و فروخت کا معاملہ ہو تو معاہدے کے وقت کی قیمت معتبر سمجھی جائے گی۔ (۳۵) علماء حنفیہ اسی مسلک پر فتوی دیتے ہیں۔ (۳۶)

ابن عابدین "منتقی" سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب قبضے سے قبل فلوس کی قیمت کم یا زیادہ ہو جائے تو ابویوسف کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں میرا اور ابو حنیفہ کا ایک ہی قول ہے کہ قرض خواہ کو وہی فلوس واپس ہوں گے۔ پھر ابو سف نے اس قول سے رجوع کر لیا اور یہ مسلک اختیار کیا کہ مقروض پر قیمت لازم ہوگی ...... احناف کے ہاں اسی قول پر فتوی ہے۔ (۳۷)

امام ابو یوسف کے نزدیک اس نقطۂ نظر کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ فلوس کی ثمنی حیثیت محض لوگوں میں ان کی رواج پذیری کے باعث ہی ہوتی ہے۔ اب اگر لوگوں کا رواج ہی بدل جائے یا ان کے رواج کی کیفیت میں تبدیلی آ جائے تو اصولاً اس تغیر کی رعایت کرنی چاہئے۔

بعض مالکیہ نے اس سلسلے میں یہ نقطۂ نظر اختیار کیا ہے کہ اگر فلوس کی قدر میں زیادہ تغیر واقع ہو جائے تب تو مدین پر قیمت واجب ہو جائے گی۔ لیکن تغیر اگر معمولی نوعیت کا ہو تو پھر مثل ہی واپس کرنا ہوگا (۳۸)۔ رہونی نے مالکیہ کے قول مشہور (۳۹) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"میرے خیال میں مناسب یہ ہے کہ مثل کی واپسی کی تقیید وہاں کی جائے جب قدر میں معمولی سا تغیر ہو۔ کیونکہ کساد نقد میں قول مشہور کے قائلین نے جس علت سے استدلال کیا ہے (کہ چونکہ قرض خواہ ایک حامل منفعت شے دیتا ہے، اس لئے ادائیگی میں اسے ایک غیر منفعت بخش چیز دینا ظلم ہوگا) وہی علت یہاں بھی موجود ہے۔" (۴۰)

حاصل کلام یہ ہوا کہ احناف کے ہاں زر کی قدر وقتی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ فقہ حنفی میں

مسلک ابو یوسف (جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے) کی رو سے، عقد (یا قبضے) اور ادائیگی کے مابین وقت میں قیمتوں کے اختلاف کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور "رخص و غلاء" کے حالات میں قیمت کی ادائیگی ہی قرین عدل و انصاف ہے۔

افراط زر کے مفاسد اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ناانصافیوں کی وضاحت زر کی تامین قدر کی شرعی تعلیمات اور اس سلسلے میں فقہی آراء کی تفصیل اس سے قبل شائع ہونے والے مقالات اور پیش نظر مقالے میں گذر چکے ہے۔ ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کے نظام عدل میں ان برائیوں کی کوئی گنجائش نہیں جو افراط زر کا بالعموم نتیجہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ مختلف دلائل شرعیہ اور فقہی مویدات کی روشنی میں تجویز کیا گیا ہے کہ دور حاضر کے زر اعتباری کو بجائے ظاہری قدر (Face Value) کے قوت خرید (Purchasing Power) کے ساتھ منسلک کیا جائے۔

عصر حاضر کے کچھ علماء کرام اشاریہ کی سکیم کے خلاف ہیں اور اسے سودی نظام کا حصہ بتاتے ہیں۔ ان کے اس نقطہ نظر کا مبنی چند اصولی اعتراضات ہیں جو اس سکیم پر کیے جاتے ہیں۔ قرضوں کی اشاریہ بندی پر ہونے والے اعتراضات اور ان کا تفصیلی جائزہ "فکرونظر کے اگلے شمارے میں ان شاء اللہ منظرعام پر آئے گا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ یعنی اگر آج زر کی قدر میں کچھ کمی ہوئی ہے تو کل صورت اس کے برعکس ہو گی ایسا نہیں کہ قدر مسلسل ہی گرتی رہے اور بڑھنے کی نوبت نہ آئے۔

۲۔ محمد شمس الحق آبادی "عون المعبود"، شرح سنن ابی داود: ج ۹، ص ۲۰۳۔

۳۔ تانبے سے بنے ہوئے سکے جو درہم اور دیناروں کے ساتھ ساتھ امدادی کرنسی کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

۴۔ بلاذری، ابو الحسین، "فتوح البلدان": بلاذری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۹۸ء، ص ۴۵۲۔

۵۔ اس باب میں اہم معلومات کی تفصیل حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل حوالہ جات سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

(i) "المعیار المعرب والجامع المغرب": امام احمد بن یحیی الونشریسی، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۰۱ھ، بیروت۔

(ii) "الحاوی للفتاوی": السیوطی، دار الفکر، بیروت

(iii) "ابناء الغمر بانباء العمر": احمد بن حجر العسقلانی، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۸ھ، الھند

(iv) "النقود ولائتمان فی البلاد العربیتہ": د۰ عصام یوسف عاشور، ۱۹۶۲ء، مصر۔

۶۔ اس مسئلے اور موضوع سے متعلق سب سے پہلی قابل ذکر تحریر غالبا خطیب تمرتاشی، محمد بن عبداللہ بن احمد (۹۳۹۔ ۱۰۰۴ھ) کی ہے جو "بذل المجھود فی مسالۃ تغیر النقود" کے نام سے موسوم ہے۔ بعد کے فقہاء کی اس سلسلے میں تحقیقات کا مبنی بھی یہی تحریر بنی۔ تیرھویں صدی ہجری کے اوائل (۱۲۱۶ھ) میں شیخ عبدالقادر الحسینی نے ایک رسالہ بعنوان "رسالہ فی تراجع سعر النقود بالامر السلطانی" لکھا جو اس باب میں ایک اہم تحریر ہے۔ بعد ازاں ۱۲۳۰ھ میں ابن عابدین نے ایک رسالہ تحریر کیا جس کا نام "تنبیہ الرقود علی مسائل النقود" ہے۔

۷۔ (i) ابن عابدین، تنبیہ الرقود علی مسائل النقود: د۔ ن، ت ۔ ن، ج ۲، ص ۶۴، ۶۶۔

(ii) قدری پاشا، "مرشد الحیران": ۴۰۵۔

(iii) السیوطی، جلال الدین، "قطع المجادلہ": " (مطبوع ضمناً لحاوی للفتاوی) مکتبتہ التجاریۃ الکبری، القاہرہ، ط ۳، ۱۹۵۹ء، ج ۱، ص ۹۷ و مابعد۔

(iv) علیش، محمد، "منح الجلیل": المطبعہ الکبری، ۱۲۹۴ھ، ج ۲ ص ۵۳۴۔

(v) محمد بن احمد، "حاشیہ الرھونی": رھونی، المطبعتہ الامیریہ، بولاق، ۱۳۰۶ھ ج ۸، ص ۱۱۸۔

(vi) منصور بن یوسف، "کشاف القناع": بھوتی، مطبعتہ الحکومتہ، مکہ، ۱۳۹۴ھ، ج ۳، ص ۳۰۱۔

(vii) ابن قدامہ، عبداللہ، "المغنی": دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، ج ۴، ص ۲۰۷۔

(viii) ابوالبرکات، "المحرر": مطبعتہ السنۃ المحمدیہ، د۰ت۰، ج ۱، ص ۳۳۵۔

۸۔ "تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق"، المطبعتہ الامیریہ، بولاق، ۱۳۱۴ھ، ج ۴، ص ۱۴۳

۹۔ کاسانی، علاء الدین، "البدائع": مطبعتہ الجمالیہ، القاہرہ، ط ۱، ۱۳۲۸ھ ج ۷، ص ۳۲۴۴۔

۱۰۔ (i) ایضاً ومابعد

(ii) "تبیین الحقائق": ج ۴، ص ۱۴۲

۱۲۔ (i)"کشاف القناع": ج ۳، ص ۳۰۱۔

(ii)"الشرح الکبیر علی المقنع": ج ۴، ص ۳۵۸۔

۱۳۔ (i)"حاشیہ الرھونی": ج ۵، ص ۱۲۰۔

(ii)"حاشیۃ المدنی": محمد بن احمد، المطبعۃ الامیریہ، بولاق، ۱۳۰۶ھ، ج ۵، ص ۱۱۸۔

۱۴۔ "البدائع": ج ۷، ص ۳۲۴۴۔

۱۵۔ ایضاً۔ ص ۳۲۴۵۔

۱۶۔ "المغنی": ج ۴، ص ۳۶۵۔

۱۷۔ بعض حنابلہ بھی اسی قول کے قائل ہیں۔

۱۸۔ "درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام": ج ۳، ص ۹۴۔

۱۹۔ علماء فقہ نے لکھا ہے کہ:

"ھو ان لا یوجد فی السوق، وان کان یوجد فی ید الصیارفۃ وفی البیوت: (تبیین الحقائق: ج ۴، ص ۱۴۳۔ "تنبیہہ الرقود": ج ۲، ص ۶۰)

(یعنی انقطاع یہ ہے کہ نقد بازار میں دستیاب نہ رہے اگرچہ وہ ساروں کے ہاں یا گھروں میں پایا جاتا ہو)

کساد لوگوں کی نقد میں قلت رغبت، اس کے ترک تعامل یا حاکم کے اس بین کر دینے کی صورت میں ہوتا ہے جب کہ انقطاع یہ ہے کہ نقد سرے سے دستیاب ہی نہ رہے اور بازار میں نایاب ہو جائے چاہے لوگوں کی رغبت، بھی اسی طرح ہو اور ترک تعامل کی نوبت نہ آئی ہو۔

۲۰۔ "الشرح الکبیر علی المقنع": ج ۴، ص ۳۵۸

۲۱۔ (i) تبیین الحقائق": ج ۴، ص ۱۴۲

(ii) تنبیہہ الرقود": ج ۲، ص ۵۹

۲۲۔ "شرح فتح القدیر": ج ۵، ص ۳۸۳

۲۳۔ "تبیین الحقائق": ج ۴، ص ۱۴۲

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ "تنبیہہ الرقود": ج ۲، ص ۶۰

۲۶۔ (i) "حاشیہ الرھونی": ج ۵، ص ۱۲۱

(ii) "شرح الزرقانی علی خلیل": زرقانی، المطبعۃ البھیتہ، مصر، ۱۳۱۷ھ، ج ۵، ص ۶۰

۲۷۔ "قطع المجادلہ": ج ۱، ص ۹۷ ۔ ۹۹

۲۸۔ (i) "الشرح الکبیر علی المقنع": ج ۴، ص ۳۵۸

(ii) شرح منتھی الارادات": ج ۲، ص ۲۲۶

۲۹۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلے یہی مسلک تھا مگر انہوں نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔

۳۰۔ "المغنی": ج ۴، ص ۳۶۵

۳۱۔ "حاشیتہ الدسوقی": الدسوقی، شمس الدین، داراحیاء الکتب العربیہ، البابی الحلبی، مصر، ج ۳، ص ۴۵

۳۲۔ "منقول از منح الجلیل": ج ۲، ص ۵۳۵

۳۳۔ "قطع المجادلہ": ج ۱، ص ۹۷

۳۴۔ "مجلہ الاحکام الشرعیہ": مادہ ۷۵۰

۳۵۔ "تنبیہہ الرقود": ج ۲، ص ۶۰۔۶۳

۳۶۔ ایضاً ۔ ص ۶۰، ۶۱

۳۷۔ (i)"حاشیہ ابن عابدین": ج ۴، ص ۲۴

(ii) تنبیہ الرقود: ج ۲، ص ۵۸

۳۸۔ "حاشیتہ المدنی": ج ۵، ص ۱۱۸

۳۹۔ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جس کی رو سے تغیر نقد کے باوجود بھی مثل کی ادائیگی واجب ہے۔

۴۰۔ "حاشیہ الرھونی": ج ۵، ص ۱۲۱